"مسلکی اختلافات کی بنیاد پر بڑھتی عدم برداشت کو کم کرنے میں حکومت کی ذمہ داریاں"

☆ڈاکٹر حافظ افتخار احمد

Abstract

In this article first of all I explain the responsibility of state in the light of teaching of Islam for example see Surat Al-Nissa Verse No. 57 and Surat Al-Hajj Verse No. 41 and in the following saying of the Prophet Peace be upon him.

"عن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته فا لا مام علی الناس راع وھو مسئول عن رعیته والرجل راع علیٰ اھل بیته وھو مسئول عن رعیته والمراۃ راعیة علی بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولة عنھم"

Secondly the reality of the inter sectarian harmony and the scholar's points of view from the different walk of life. Now a day the rule of the state to sustain peace and inter sectarian harmony.

نحمدہ ونصلی علی رسوله الکریم

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الذکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ولله عاقبة الامور"(۱)

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکواتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے"۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "عن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته فا لا مام علی الناس راع وھو مسئول عن رعیته والرجل راع علیٰ اھل بیته وھو مسئول عن رعیته والمراۃ راعیة علی بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولة عنھم"(۲)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اپنی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس حاکم جو لوگوں پر نگہبان ہے اور وہ اپنے رعایا کے متعلق جوابدہ اور ذمہ دار ہے اور وہ شخص اپنے گھر والوں پر ذمہ دار ہے اور اس سے اپنے گھر والوں کے متعلق پوچھا جائے گا اور عورت اپنے شوہر اور اس کی اولاد

چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

کی نگھبان ہے اس سے (بھی) ان کے متعلق پوچھا جائے گا"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"عن عوف بن مالک قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول خیار ائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم وتصلون علیهم ویصلون علیکم وشرائر ائمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم وتلعنونهم ویلعنونکم". (۳)**

ترجمہ: ''حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا تم میں سے بہترین لوگ تمہارے وہ حاکم ہیں کہ جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور تم ان کے لیے (خیر خواہی) کی دعائیں کرتے ہو وہ تمہارے لیے دعائیں کریں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں تم ان سے بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں اور تم انہیں لعنت بھیجو اور وہ تم کو لعنت بھیجے''۔

''مسلکی اختلافات کی بنیاد پر بڑھتی ہوئی عدم برداشت کو کم کرنے میں حکومت کی ذمہ داریاں''

ہماری گفتگو عنوان کے مطابق درج ذیل تین نکات پر مشتمل ہوگی:

1۔ حکومت اور اس کی ذمہ داریاں سیرت طیبہ کی روشنی میں۔
2۔ بین المسالک اختلافات کی حقیقت اور اہل علم کا نقطہ نظر۔
3۔ حکومت کا عصر حاضر میں بین المسالک ہم آہنگی کے سلسلے میں ذمہ داریاں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ غالباً وہ پہلے انسان ہیں جو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے مشہور ہوئے، اپنے ایک مشہور شعر میں وہ کہتے ہیں کہ دینی معاملات کو کس نے خراب اور فاسد کیا ہے، سوائے حکمرانوں اور علماء کے ۔ گویا وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلم معاشرے میں بالخصوص اور انسانی معاشرے میں بالعموم جب کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے تو وہ طبقوں کی وجہ سے ہوتی ہے، ایک اس طبقہ کی وجہ سے جو کسی ملک میں کسی نہ کسی حیثیت میں حکمرانی یا ذمہ داری کے منصب پر فائز ہوتا ہے اور دوسرا علماء کرام جس سے مراد صرف علماء دین نہیں بلکہ اس معاشرے کے وہ تمام لوگ ہیں جو کسی بھی اعتبار سے علمی وفکری رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہوں۔ گویا امت یا قوم کے سیاسی، فکری اور دینی قائدین اگر اچھے ہوں اور درست راستے پر گامزن ہوں تو پھر امت درست راستے پر گامزن رہتی ہے۔ اور اگر یہ طبقے راہ راست سے ہٹ جائیں تو بالآخر امت بھی راستے سے ہٹ جاتی ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کو ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "خیار ائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم" تمہارے بہترین ائمہ وہ لوگ ہیں کہ جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ ''وتصلون علیهم ویصلون علیکم'' ''تم ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہو وہ تمہارے لیے دعا خیر کرتے ہیں''۔ ''وشرار ائمتکم'' اور تمہارے بدترین ائمہ وہ ہیں ''الذین تلعنونهم ویلعنونکم'' کہ تم ان پر لعنتیں بھیجو وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔ ''ویبغضونکم وتبغضونهم'' وہ تم سے نفرت کریں، تم ان سے نفرت کرو''۔

عصر حاضر کے نامور سکالر پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ:'' یہاں بھی ائمہ کا لفظ کسی خاص شعبہ کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ ہر اس فرد کے لیے استعمال ہوا ہے جو امت میں قیادت اور امامت کا مقام رکھتا ہے، وہ تعلیم میں قیادت کی امامت ہو، مسجد کی امامت ہو، فکر کی امامت ہو، سیاست کی امامت ہو، کسی بھی طرح کی امامت ہو، اگر تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ وہ بہترین لوگ ہیں جو امت سے اخلاص رکھتے ہیں، امت ان کے اخلاص کی قدر کرتی ہے، اس کی وجہ سے ان کے لیے دعا گو ہے، ان سے محبت کرتی ہے اور وہ امت سے محبت کرتے ہیں، تو پھر وہ بہترین قیادت ہے ان دونوں اقوال کی روشنی میں، جن میں سے ایک حدیث پاک ہے اور ایک عظیم محدث اور امام اسلام کا قول ہے، دیکھا جائے تو ائمہ کرام، خصوصاً نہ صرف دینی ائمہ کرام کی ذمہ داری نہایت ہی نازک اور بھاری ہو جاتی ہے بلکہ حکومت اور صاحب اقتدار طبقہ کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ خاص طور پر دور جدید میں یہ ذمہ داری بہت زیادہ نازک ہوگئی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو مغرب نے اپنے تاریک ادوار کے ایک ہزار سال کے ناگفتہ بہ تجربات کے بعد سیکولرزم کو اپنے لیے پناہ گاہ سمجھا اور یہ محسوس کیا کہ ان کے مصائب اور مشکلات کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مذہب اور سیاست یکجا تھے۔ ان کا مذہب اور ان کی سیاست یکجا نہیں ہو سکتے تھے، اس لیے انہوں نے ان دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ اس علیحدگی کے بعد وہ بڑی حد تک ان مصائب سے آزاد ہو گئے جن کا وہ ایک ہزار سال شکار رہے، لیکن کچھ نئے مصائب کا شکار ہو گئے۔ مشکل یہ ہوئی کہ اگر یہ چیز مغرب تک محدود رہتی تو ہمارے لیے زیادہ قابل اعتراض بات نہیں تھی۔ ایک علمی سوال تھا کہ ان کی تاریخ میں ایسا کیوں ہوا؟ اصل خرابی اس لیے پیدا ہو رہی ہے کہ وہ نتائج جو مغرب میں ان کی خاص تاریخ اور خاص ماحول کے پیداوار تھے، مغرب کے موجودہ سیاسی اثر ورسوخ، اس کی عسکری طاقت، اس کی اقتصادی خوشحالی اور دنیوی معاملات میں ان کے کنٹرول کی وجہ سے دنیائے اسلام میں درآمد، بلکہ مسلط کیے جا رہے ہیں حالانکہ نہ دنیائے اسلام کی تاریخ، اس کی نوعیت کی تاریخ رہی ہے، نہ دنیائے اسلام میں ریاست اور مذہب میں وہ کشمکش رہی ہے جو یورپ میں ایک ہزار سال موجود رہی، نہ قباحتیں دنیائے اسلام میں پیدا ہوئیں جن کا مغرب کو واسطہ پڑا۔ نہ یہاں مذہب نے ترقی وتہذیب کے راستے میں وہ رکاوٹ پیدا کی جو مغرب میں پیدا ہوئی۔ یہ یہاں احتسابی عدالتی نظام تھا جسکے تحت سینکڑوں ہزاروں نہیں، لاکھوں انسانوں کو مذہب کے نام پر موت کے گھاٹ اتارا۔ نہ یہاں عقل وشعور کی ہر کاوش کا یہ کہہ کر انکار کیا گیا کہ فلاں مذہبی پیشوا اور فلاں مذہبی ادارہ اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ نہ لوگوں کو اس لیے سزائے موت دے دی گئی کہ انہوں نے تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر کوئی سائنسی نتیجہ بیان کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سارے معاملات دنیائے اسلام میں نہیں تھے۔ دنیائے اسلام میں تو پہلے دن سے عقل اور وحی کے درمیان اتنی ہم آہنگی، یکسانیت اور قرب تھا کہ دنیائے اسلام کی تاریخ میں کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا کہ عقل اور وحی یا دین اور دنیا یا مذہب اور غیر مذہب دو متعارف کیمپوں میں تقسیم ہوئے ہوں اور ان کی آپس میں کشمکش رہی ہو۔ ہمارے ہاں تو وہ لوگ بھی جو مذہبی فکر کے ترجمان نہیں سمجھے جاتے، ایک طرح سے اسلامی فکر کے دائرے کی حدود میں رہے، کبھی حدود سے باہر سمجھے گئے اور اور کبھی حدود کے اندر خیال کیے گئے۔ مثلاً خالص فلسفی، ابن سینا اور فارابی جیسے لوگوں کی مثال دیکھیے کہ کسی نے انہیں اسلامی فکر کا

مسلم نمائندہ قرار نہیں دیا اور وہ فلاسفہ کے نمائندہ رہے۔اگر یہ کہا جائے کہ مغرب کی تاریخ میں جو بہترین مذہب کے علم بردار تھے، یہ لوگ ان سے زیادہ مذہبی تھے تو غلط نہ ہوگا۔یورپ کی تاریخ میں مذہب کے جو بہترین نمائندے رہے مثلاً سینٹ ٹامس کناس کہ جن کو مسیحت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سینٹ پال کے بعد تیسرا بڑا مجدد جانا جاتا ہے، اس سے بھی زیادہ یہ لوگ مذہبی اور دینی خیالات سے قریب تر تھے، انہوں نے جس طرح عقل اور دین کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، جس طرح سے دینی عقائد اور دینی تصورات کو عقلیات کی زبان میں کامیابی سے بیان کیا، ان کی مثالیں یورپ کی مذہبی تاریخ میں نہیں ملتیں۔

ہمارا بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے دانشوروں نے نہ اپنی تاریخ کا مطالعہ کیا نہ مغربی تاریخ کا، نہ یہ دیکھا کہ ہمارے ہاں کیا خرابیاں تھیں اور کیا نہ تھیں،۔۔۔۔ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے ہاں خرابیاں نہ تھیں، لیکن جو خرابیاں تھیں ان کو کسی نے دیکھا نہیں ۔۔۔۔اور جو خرابیاں نہیں تھیں ان کو زبردستی اپنے اندر مان لیا اور ان خرابیوں کو ماننے کے بعد وہ نتائج بھی خود بخود تسلیم کر لیے جو یورپ میں ان خرابیوں کی وجہ سے پیدا ہوئے، اس سے دنیائے اسلام میں سیکولرزم کا فروغ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔سیکولرزم کے فروغ کے نتیجے میں ایک ایسی صورت حال انڈونیشیا سے مراکش تک موجود جو بین الاقوامی قوتوں کے مفاد کی وجہ سے شدید تر ہوتی چلی جارہی ہے کہ کس طرح سے مذہب کے دائرے کو زیادہ سے زیادہ محدود کر دیا جائے اور ریاستی اور سرکاری، اجتماعی، قانونی، اقتصادی اور تہذیبی معاملات سے دین و مذہب کو نکال کر مذہب اور اخلاق کا دائرہ محدود کر دیا جائے۔

یہ ہے وہ چیلنج جو دنیا اسلام کو آ درپیش ہے۔بظاہر یہ فکری اور علمی مسئلہ ہے، جس کا روزمرہ کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں لیکن آج دنیائے اسلام کو جو مسائل درپیش ہیں اس کا گہرائی سے جائزہ لیں اور فکری سطح پر دیکھیں کہ اس کے اسباب کیا ہیں تو یہی بنیادی سبب نظر آئے گا کہ دنیائے اسلام کے خاصے قابل ذکر حصے میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جس طرح سے مغرب ایک خاص رخ پر مذہب اور ریاست کو الگ الگ کرنے پر مجبور ہوا، دنیائے اسلام کو بھی آج یا کل اس نتیجے پر پہنچنا ہے۔کبھی کہا جاتا ہے کہ فلاں قوانین بنیادی حقوق سے متعارف ہیں، کبھی کہا جاتا ہے کہ فلاں قسم کے نظام سے معاشرہ میں تمیز پیدا ہورہی ہے۔کبھی کہا جاتا ہے کہ فلاں قسم کا نظریہ اگر آیا تو ریاست کے فلاح مفاد کو زد پہنچے گی۔ریاست کے مفاد کر زد پہنچے، امتیازی قوانین اور بنیادی حقوق کی یہ باتیں بظاہر خوبصورت عنوانات ہیں لیکن ان عنوانات کے پردے میں جو گفتگو کی جاری ہے اس پر غور کریں تو بالآخر جو بنیاد نکلے گی اور لنگر جہاں پڑا ہوا ہے وہ یہی ہے کہ ریاست یا مذہب کو اور مذہب یا زندگی کے معاملات کو الگ الگ ہونا چاہیے۔میرا مذہب کیا ہے اس سے آپ کو سروکار نہیں، اور آپ کا مذہب کیا ہے مجھے اس سے سروکار نہیں۔یہی چیز اسلام کے بنیادی تصور سے متعارض ہے۔ہماری ساری شناخت ہی مذہب ہے۔مسلمان کے ہاں ہر اچھائی برائی کا تعین مذہبی حوالے سے ہوتا ہے اور اخلاق اور قانون کا تعلق مذہب سے ہے ،تہذیب کا تعلق مذہب سے ہے اور کوئی چیز مذہب کے اس دائرے سے خالی نہیں جو قرآن مجید اور صاحب قرآن مجید علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال میں موجود ہے یہاں تو قانون کا بھی بنیادی حوالہ بالآخر مذہبی کتاب ہے اور رسول ﷺ کا حوالہ بھی مذہبی کتاب ہے

جب کہ وہاں یہ چیز نا قابل تصور ہے کہ ایک مذہبی کتاب کا دور جدید کے اقتصادی معاملات سے کیا تعلق؟ ہمارے دینی قائدین جزئیات پر تو بہت زور دیتے ہیں لیکن اس مسئلے کی اصل جڑ پر کسی نے توجہ نہیں دی۔ علمائے کرام، دینی قائدین اور دینی فکر کے لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سب سے پہلے یہ اسلوب دین نشین کروائیں کہ حق ایک ہے اور اس میں کوئی تفریق دین و دنیا کی بنیاد پر نہیں ہو سکتی جب یہ تفریق ہوگی تو ہوس پر ہوگی۔

ہوئی دین اور دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیرائی

پھر انسانی خواہشات اور انسانی شہوات کی بالا دستی ہوگی۔ جب بالا دست طاقت کے احکامات چلیں گے، جیسا کہ دنیا میں چل رہے ہیں پھر جو کمزور ہے وہ بتدریج مجبور ہوتا جائے گا۔ روزانہ کمزور سے مطالبہ کیا جائے گا اور بالا دست روزانہ آگے بڑھتا جائے گا تا آنکہ وہ یہ تسلیم کروالے کہ دین و مذہب الگ الگ چیزیں ہیں اور مذہب کا اجتماعی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب تک یہ اصول مسلمان تسلیم نہیں کرے گا اس وقت تک ان کے مطالبات جاری رہیں گے۔ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ، جس نے اکثر و بیشتر مغربی ماحول میں تعلیم پائی اور جو مغربی یونیورسٹیوں کا پڑھا ہوا ہے اس میں بڑے ماہر، بڑے اچھے بڑے مخلص اور محبِّ وطن لوگ ہیں، لیکن مخلص اور محبِّ وطن ہونا کافی نہیں ہوتا جب تک ذہن کی بنیاد درست نہ ہو۔ جب تعمیر میں بنیادی کج ہو جائے تو

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا بے روج دیوار کج

اس بنیاد کو درست کرنے کی ضرورت ہے یہ بات کہ قرآن مجید ہر سچائی اور ہر صداقت کو سرچشمہ ہے، اگر تسلیم ہے تو اس کے بعد پھر سب حوالے ختم ہو جانے چاہئیں۔ کسی بڑے سے بڑے انسان کی عقل، تجربہ، حتی کہ کسی بڑی سے بڑی تہذیب کی کوئی تہذیبی سچائی یا کلیہ، اگر قرآن مجید سے متعارض ہے تو وہ نا قابل قبول ہے جب تک یہ معیار لوگوں کے ذہن نشین نہیں ہوگا، اس وقت تک یہ جزوی مسائل اٹھتے رہیں گے اور لا متناہی سوالات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ علمائے کرام کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس بنیادی سوال کے جواب کو جو ایک رویے کا سوال،
پہلے واضح کر دیں اور لوگوں کا ذہن اس معاملے میں صاف کریں۔ (۴)

اس مختصر تمہید کے بعد اگر ہم سورۃ الحج کی آیت نمبر 41 جس کا حوالہ اس مقالہ کے آغاز میں دیا گیا ہے غور کریں اور دیکھیں کہ حکومت کی ذمہ داریاں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کیا ذکر کیا ہے؟ اس کے بعد یہ کہ کیا حکومت اور سلطنت اسلام میں مقصود بذات ہے یا حکومت کا قیام ایک ضمنی چیز ہے اور احکامات الٰہیہ کی تعمیل ہی اصل مقصد ہے۔

سورۃ الحج کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں قوت و طاقت اور حکومت عطا فرمانے کا مقصد ارشاد فرمایا کہ

وہ نماز کو (جو حقوق الٰہی کی بجا آوری کا عنوان ہے) قائم کریں اور زکوٰۃ جو بندوں کے ادائے حقوق کا دوسرا نام ہے ادا کریں اور دنیا میں امور خیر کی تعمیر اور امور شر کے انسداد کا اہتمام کریں۔ اسلامی سلطنت کا مقصد نہ جزیے کا حصول نہ خراج کا وصول، نہ غنیمت کی فراوانی، نہ دولت کی ارزانی، اور تجارت کا فروغ، نہ جاہ منصب کا فریب، نہ عیش وعشرت کا دھوکہ اور نہ شان وشوکت کا تماشہ ہے۔ بلکہ سراسر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری اور اس کے لیے جدوجہد اور سعی ومحنت کی ذمہ داری کا نام ہے۔

سید سلیمان ندوی اپنی معرکہ آلاراء کتاب سیرت النبی ﷺ میں لکھتے ہیں کہ "حکومت" بادشاہی تخت وتاج اور خزانے اسلام میں مقصود بالذات نہیں ہیں، یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں بہت سی رکاوٹوں کو دور کرنے میں معاون ہیں۔ اور اسلام کے حدود اور قانون، عدل وانصاف کے ذریعے ہیں۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو اسلام کی حکومت نہیں ہے۔ خواہ وہ مسلمان کی ہو، دوسری بات یہ ہے کہ شان وشوکت اور مال ودولت کو صرف خدا کی مرضی کے حصول میں صرف کیا جائے اگر یہ نہ ہوتو یہ سلطنت عیش وعشرت پر دولت وحشمت اور جاہ ومال، سوء مآل کا موجب ہو جائے گا"۔ (۵)

اگر ہم اسلامی تعلیمات کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی دعوت شرک کی تردید اور توحید کی تعلیم سے شروع ہوئی اور اس کے بعد شرائع اور احکام آہستہ آہستہ نازل ہوتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی، فرمانبرداری اور عبادات کی دعوت، فرائض وحقوق کی ادائی، قلوب ونفوس کی صفائی اور اخلاق کی برتری اور برگزیدی کی تعلیم وتربیت تدریج کے ساتھ تکمیل کو پہنچی گئی، ساتھ ہی ساتھ سلطنت کا نظام خود بخود بنتا گیا اور وہ بھی تکمیل کو پہنچ گئی۔

سید سلیمان ندوی کے بقول "اسلام کے سارے دفتر میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ہے، جس سے یہ معلوم ہو کہ قیام سلطنت (حکومت) اس دعوت کا اصل مقصد تھا اور عقائد ایمان، شرائع واحکام اور حقوق وفرائض اس کے بمنزلہ تمہید تھے بلکہ جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ شرائع اور حقوق وفرائض ہی اصل مطلوب ہیں اور ایک حکومت صالحہ کا قیام ان کے بجائے اطمینان اور سکون خاطر کا باعث ہے تاکہ وہ احکام الٰہی کی تعمیل بآسانی کر سکیں۔ اس لیے وہ ضمناً مطلوب ہے۔ (٦)

انسان کا المیہ: ہر انسان کا المیہ اور دوسروں پر اس کے ظلم کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے ایک پیمانہ اور دوسرے کے لیے دوسرا پیمانہ چاہتا ہے وہ اپنے لیے ایک ترازو سے ناپتا ہے اور دوسروں کے لیے دوسری ترازو سے، اس ستم پیشہ پر خدا کی اور ساری دنیا کی پھٹکار۔ جیسا کہ اس آیت مبارکہ ارشاد تعالیٰ ہے:

"**ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم اووزنوھم یخسرون** (۷)" ترجمہ: "پھٹکار ہے ان کم کر دینے والوں پر جو اپنے لیے لوگوں سے ناپ پوری لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں"۔

معاملات انسانی میں فساد کی پوری فہرست اسی ایک اجمال کی تفصیل اور اسی نکتہ کی تشریح ہے چنانچہ سورۃ الحدید میں زمین میں قیام عدل کے تین ذریعے ظاہر فرمائے گئے ہیں:

"لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط و انزلنا الحدید فیه بأس شدید و منا فع للناس". (۸) ترجمہ: " اور ہم نے پیغمبروں کو کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان پیغمبروں کے ساتھ کتاب اتاری اور (عدل کی) ترازو، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت ہیبت ہے اور لوگوں کے لیے کئی فائدے ہیں"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عدل کے قیام اور ظلم کی روک تھام کے لیے تین چیزیں ارشاد فرمائی گئی ہیں، ایک کتاب، یعنی احکام الٰہی کا مجموعہ، دوسری چیز وہ فطری صحیح دعادلانہ میزان جو ہر صداقت شعار دل میں دھری ہے او جس پر انسانی قانون کی بنیاد کھڑی ہے اور تیسری چیز تلوار کی طاقت ہے جو ان دونوں کے ماننے پر ان کی گردنیں جھکا دیتی ہے، یعنی جو احکام الٰہی کے ماننے سے منکر ہیں اور جو اپنی فطرت کی صحیح میزان عدل کو توڑ چکے ہیں ان کو پھر طاقت کے زور سے قانون کے ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے، یہ آہنی آلہ جس کے ایک ہاتھ میں ہوتا ہے اس کا نام حکومت و ریاست ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں قانون الٰہی کی کتاب بھی ہونی چاہیے جس کے ماننے پر وہ اپنے ماتحتوں کو مجبور کرے۔(۹)

اگر ہم دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں سلطنتون اور حکومتوں کے بانیوں کا مقصد قیام سلطنت کے سوا کچھ نہیں ہوتا، اسلام جو سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا یا ہے وہ بجائے خود مقصود بالذات نہیں تھی، بلکہ اس کے ذریعہ سے دنیا کے تمام ظالمانہ نظامہائے سلطنت کو مٹا کر جن میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بندوں کا خدا ٹھرا دیا گیا تھا، اس کی جگہ خدا کے فرمان کے مطابق ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا مقصود تھا جس خدا کے سوا نہ کسی دوسری طاقت کی سلطنت ہو اور نہ کسی دوسرے کا قانون رائج ہو۔

اسلام میں حکومت کی حیثیت واہمیت: دنیا کے ہر انسان خصوصاً ہر مسلمان کو یہ معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ دنیا میں دین و دنیا دونوں کی برکتیں لے کر تشریف لائے، آپ نے صرف آخرت کی کامیابی کی خوشخبری نہیں سنائی بلکہ اس کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی تا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور رضا جوئی بے خوف و خطر کی جاسکے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اس دنیا میں قائم ہو۔

سورہ نور مین ارشاد باری تعالیٰ ہے:"وعد الله الذین آمنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم و لیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم و لیبدلنهم من بعد خوفهم امناً، یعبدوننی لایشرکون بی شیئاً"۔(۱۰) ترجمہ:"اللہ تعالیٰ نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین میں حاکم بنائے گا، جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لئے ان کے اس دین کو جو اس نے ان کے واسطے پسند ہے، جمادے گا اور ان کو ان کی اس بے امنی کے بدلے امن دے گا، میری بندگی کریں گے، کسی کو میرا شریک نہ بنائیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا بتائی ہے:" ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة"۔(۱۱)

ایک اور جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:" للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ، ولدار الآخرۃ خیر، ولنعم دار المتقین"(۱۲)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:" فاتھم اللہ ثواب الدنیا و حسن ثواب الآخرۃ، واللہ یحب المحسنین"۔(۱۳) ترجمہ:" پھر دیا اللہ نے ان کو ثواب دنیا کا اور اچھا ثواب آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے"۔سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:" دنیا کا ثواب فتح ونصرت، ناموری وعزت، مال ودالت اور حکومت وسلطنت ہے"۔(۱۴)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:" والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ و لاجر الآخرۃ اکبر"(۱۵)

مفسرین نے فرمایا ہے کہ:" دنیا کا اچھا ٹھکانا دنیا کی ہر جائز نعمت اور سلطنت وحکومت ہے"(۱۶)۔حضرت موسی علیہ السلام نے دین اور دنیا دونوں کی نعمتوں کی دعا مانگی:" واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنۃ"۔(۱۷)

اس دنیا میں اللہ تعالی کی بڑی نعمت حکومت اور سلطنت اور دنیا کی سیاست ہے یہاں تک کتاب ونبوت کی دولت کے بعد اسی کا درجہ ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:" فقد اتینا ال ابراھیم الکتاب و الحکمۃ و اتینا ھم ملکاً عظیما"۔(۱۸)

قیام سلطنت کے باب میں اسلام کا ایک فیض یہ بھی کہ اسنے سلطنت کو بھی مذہب اور عبادت بنادیا۔اور اس شعبہ حیات کو جس میں تمام ترغل وسازش، ظلم وستم اور جور وتعدی شامل تھی اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ سیاست کی راہمیں ہر گناہ ثواب ہے، اسلام کی تعلیم نے اس کو اتنا پاک وبلند کیا کہ وہ عرش کا سایہ بن گیا۔حضرت ابوبکر صدیق کا قول ہے:" السلطان العادل المتوضع ظل للہ ورمحہ فی الارض"۔(۱۹) عادل اور متواضع حاکم زمین میں اللہ کا سایہ اور اسکا نیزہ ہے"۔

اس لئے جو لوگ حکومت وسلطنت کے کاموں کو اخلاق اور نیکی کے ساتھ انجام دیں، ان کو اپنے اس حسن عمل کا ثواب اسی طرح ملے گا جس طرح دوسری عبادت، گویا حکومت کرنا بھی ایک عبادت ہے۔

حاکم کی ذمہ داریاں: قرآن مجید میں اللہ تعالی نے بار بار حکام کو عدل وانصاف سے کام لینے اور اپنے ذمہ دارانہ فرائض کی بجا آوری کی تاکید کی ہے، خصوصیت کے ساتھ درج ذیل آیات اپنے معنی کی عموم کے لحاظ سے فرائض حکومت کی پوری توضیح کرتی ہیں:

"ان اللہ یامرکم ان تو دواالامنت الی اھلھا واذا احکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ط ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعا بصیراً"(۲۰) آیت:۵۸) ترجمہ:" بیشک اللہ تعالی تم پر حکم فرماتا ہے کہ پہنچادو امانتیں امان والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو فیصلہ کرو انصاف سے۔اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو"۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے:"ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی ۔۔۔۔۔الآیۃ (۲۱)

''اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کو دینا کا''۔

یہ آیتیں اسلامی سلطنت کے باب میں اساسی حیثیت رکھتی ہیں ۔اور یہ بات کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کیا جائے امانت کا اعلیٰ درجہ اور حکومت کا پہلا فرض ہے۔

یہ اور اس معنی کی اور آیتیں اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ حقوق کی ادائیگی میں پورا انصاف برتا جائے اور جس پیمانے سے تم اپنے لیے تولتے ہو اسی پیمانے سے دوسروں کے لیے بھی تولو اور جیسا کہ سوۃ المطففین میں کم تولنے والوں کے لیے ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور یہ تول میں گھٹانا اور بڑھانا انصاف کے خلاف اور خلاف انصاف کرنے والا اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا۔

جامع ترمذی اور مستدرک حاکم کی ایک روایت میں ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:''**ما من امام یغلق بابہ من ذوالحاجۃ والخلۃ والمسکنۃ الا اغلق اللہ ابواب السماء دون خلقۃ و حاجۃ ومسکنۃ**''۔(۲۲) ترجمہ:''کوامام اور حاکم ضرورت مندوں سے اپنا دروازہ بند کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکی ضرورت کے آسمان کا دروازہ بند کرلے گا''۔

اللہ کی محبت کے مستحق:

اللہ کی محبت کے مستحق منصف حکمران اور عدل پرور حکام ہی ہیں ۔جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

''**ان اللہ یحب المقسطین**''(۲۳) ترجمہ:اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''اس آیت کی وسعت میں ہر طبقہ کے انصاف کرنے والے شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''**ان المقسطین عنداللہ علی ضابر من نورعن یمین الرحمن و کلتا یدیہ یمین الذین یعدلون فی حکمھم واھلیھم وماولوا**''.(۲۴)

''بے شک انصاف کرنے والے (حکام وامرأ) اللہ تعالی کے پاس نور کے منبروں پر اس کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلہ میں اپنے اپنے لوگوں پر اور اپنے زیر حکومت امور میں عادل ہوں۔

''**ان احب الناس الی اللہ یوم القیامۃ وادناھم مجلساًامام عادل وابغض الناس الی اللہ وابعد ھم منہ مجلساًامام جائر**''۔(۲۵)

ترجمہ:''بے شک سب لوگوں سے خدا کو محبوب اور خدا سے قریب تر امام عادل ہوگا، اور خدا کے نزدیک سب سے مبغوض اور خدا سے دور وہ امام ہوگا جو ظالم ہو''۔(جامع ترمذی ابواب الاحکام)

اور اس کے برخلاف جو امام اور حاکم وامیر عدل وانصاف نہیں کرتا اسکے متعلق اللہ کا ارشاد پاک ہے:

''**واللہ لایحب الظالمین**''۔(۲۶) ترجمہ:اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ''**انہ لایحب الظالمین**''.(۲۷)

ترجمہ: ''بے شک وہ ظالموں کا پسند نہیں کرتا''۔
ظلم کے معنی کسی دوسرے کے حق کو دبانے کے ہیں، چاہے وہ اپنے ہی نفس کا ہو، یا عام بندوں کا ہو، یا خدا تعالیٰ کا ہو، ان ایتوں سے مقصود یہ ہے کہ حکومت اور اس کے فرائض اسلام میں دین کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہونا ثواب اور اس میں تصور گناہ ہے اور بحسن وخوبی عہدہ برآ ہونا یہی ہے کہ وہ احکام الٰہی کے تحت ادا ہوں۔

''ومن لم یحکم بما انزل الله فأولئک هم الفاسقون''۔(۲۸)

ترجمہ: اور جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی نافرمان ہیں''
احادیث میں بھی اس کی تصریحات ہیں، ارشاد ہے: ''الا ایها الناس لا یقبل الله صلوة امام حکم بغیر ما انزل الله''۔(۲۹)
ترجمہ: ''غور سے سنو اے لوگو! جو حاکم خدا کے قانون کو چھوڑ کر کچھ فیصلہ کرے، اسکی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا''۔
ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: ''ما من عبدیسترعیه الله رعیة فلم یحطهابنسجته الالم یجد رائحة الجنة''.(۳۰)
ترجمہ: ''جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا نگران بنائے اور وہ اس کی خیر خواہی پوری نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا''۔
ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: ''مامن عبد یستر عیه الله رعیة یموت یوم یموت وهوغاش لرعیته الاحرم الله علیه الجنة (۳۱)
ترجمہ: ''جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا نگران بنائے، وہ مرتے دم اس حال میں مرے کہ وہ اپنے رعیت کے ساتھ غداری کرتا تھا تو اللہ اس پر جنت کو حرام کردے گا''۔
حضرت عائذ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ان شرالرعاء الحطمة''۔(۳۲)
''ترجمہ: ''سب سے برا راعی (امیر/حاکم) وہ ہے جو اپنے رعیت کو توڑ ڈالے''۔
مذکورہ بالا آیات واحادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت وسلطنت اور اقتدار جہاں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے وہاں یہ ایک امانت بھی ہے اور ان احادیث کے نتیجے میں حاکم پر بڑی بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کی ادائیگی اس کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ بصورت دیگر وہ ان وعیدوں کا مستحق ہوگا مثلاً یہ کہ رعیت کی خیر خواہی نہ کرنے والا حکمران جنت کی خوشبو بھی پائے گا اور یہ اپنی رعایا کے غداری کا مرتکب حکمران اگر اسی حال میں مرگیا تو اللہ اس پر جنت حرام کردے گا۔ اس ساری تفصیلی گفتگو کے نتیجہ میں حکومت کی ذمہ داری اور کردار کا تعین بھی ہو جاتا ہے۔

۲۔ وطن عزیز میں دو مکاتب فکر ہیں:
ایک اہلسنت۔ دوسرا اہل تشیع۔

اولالذکر میں مزید چھوٹے طبقے ہیں جن کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔قابل ذکر بات صرف یہ ہے کہ اہلسنت میں بنیادی عقائد میں کوئی اختلاف نہیں ہے جبکہ مؤخرالذکر کا اختلاف بعض بنیادی عقائد میں ہے اب ان میں پھر ہر ایک میں دو طبقے ہیں ایک اہل علم کا طبقہ دوسرا عوام الناس۔

کانفرنس میں دیئے گئے عنوان کے مطابق مسلکی اختلاف میں عدم برداشت زیادہ تر مؤخرالذکر میں نظر آتا ہے اول الذکر میں نہیں۔

میں اس سلسلہ میں دلیل کے طور پر جناب ثاقب اکبر صاحب کا مضمون جو ماہنامہ ''البرھان'' لاہور نومبر 2012ء، میں بعنوان ''بین المسالک تکفیر غلط ہے'' کو پیش کرتا ہے۔

جناب اکبر صاحب اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

''پاکستان کے سارے مکاتب فکر کے ثقہ اور معتدل مزاج علماء کرام باہمی تکفیر کو غلط قرار دیتے ہیں۔یہاں ہم مختلف مکاتب فکر کے علماء کی آراء ذکر کر رہے ہیں:

حنفی بریلوی مکتب فکر:

مولانا صدیق ہزاروی ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں جو کسی کلمہ گو کو مشرک یا بدعتی قرار دیتے ہیں، انہوں نے ہمارے ایک سوال کے جواب میں لکھا:

''اہل سنت (بریلوی) کسی کلمہ گو کو مشرک اور بدعتی قرار نہیں دیتے اور کسی نئے اچھے کام کو بدعت حسنہ سمجھتے ہیں جبکہ قرآن وسنت سے متصادم نئے کام کو بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں، اس کی مذمت کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔حدیث شریف میں جس بدعت کی مذمت کی گئی ہے وہ یہی بدعت سیئہ ہے۔(۳۳)

حنفی دیوبندی مکتب فکر:

اس سلسلے میں مولانا اللہ یار خاں اپنا نقطۂ نظر اختصار کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں:

''ہم کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے۔جب تک وہ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا منکر نہ ہو''۔(۳۴)

اس ضمن میں یہ سوال بھی اہمیت رکھتا ہے کہ کیا کوئی مسلمان ارتکاب گناہ کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے یا نہیں، اس سوال کا جواب مولانا اللہ یار خاں کی اس عبارت میں موجود ہے:

''ارتکاب گناہ کی وجہ سے ہم کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے۔البتہ گناہ گار بغیر توبہ کے مر گیا تو پھر بھی سزا بھگت کر جنت میں جائے گا''۔(۳۵)

مولانا محمد خان شیرانی نے اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

''امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایمانیات مجمل ہیں مثلاً شرک قبیح ہے یا بدعت قبیح ہے۔
قرآن وسنت سے یقینی طور پر یہ اجمال ثابت ہے۔ان کی تفصیلات اجتہادی اور فنی ہیں، ایمانیات میں شمار نہیں ہوتیں۔اگر کوئی مسلمان کسی عمل کو شرک یا بدعت سمجھے تو نہیں کرے گا اور نہ ہی کرنا چاہیے لیکن اگر وہ اپنے اجتہاد یا معلومات کے مطابق کسی عمل کو شرک یا بدعت نہ سمجھے تو پھر اس کی اپنی مرضی ہے۔ نیز ہر اجتہاد کی پابندی خود مجتہد پر واجب ہے لیکن اس کے اجتہاد کو دوسروں پر تحمیل کرنا اس کا حق نہیں۔فتوے ہمیشہ تحمیل کے میدان میں لگتے ہیں، عمل کے میدان میں نہیں لگتے۔اگر کوئی مجتہد خود اپنے اجتہاد پر عمل کرے اور دوسروں پر تحمیل نہ کرے تو فتوے کی نوبت نہیں آئے گی۔فتوے کی نوبت تب آئے گی جب کوئی مجتہد یا عالم یہ کہے کہ میرے اجتہاد یا علم کو ضرور مان لو۔تقلیدی ایمان دو قسم کا ہوتا ہے۔ایک یہ کہ اگر کوئی شک ڈلوانے والا ٹکرا جائے تو اس کے ایمان میں تزلزل آئے گا۔یہ ایمان باتفاق علماء قابل قبول نہیں لیکن اگر ایک شخص اس تقلیدی ایمان میں اتنا مضبوط و مستحکم ہو کہ کسی بھی صورت اس میں تزلزل واقع نہ ہو تو اس کو بھی امام ابوحنیفہؒ کے سوا دوسرے آئمہ کرام ایمان تسلیم نہیں کرتے۔خود امام ابوحنیفہؒ بھی مقلد کے ساتھ اپنے ایمان کی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اسے گنہگار سمجھتے ہیں۔نیز علم کلام کے جتنے اختلافات ہیں وہ ذات باری اور صفات باری کے بارے میں ہیں جبکہ نبی علیہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کی مصنوعات میں غور کرو، ذات میں نہیں۔اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (۳۶)

اہلِ حدیث مکتب فکر:

شیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری نے اپنی کتاب ''الوجیز فی عقیدۃ السلف الصالح اہل السنۃ والجماعۃ''
میں مسئلہ تکفیر کے بارے میں اپنا نظریہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''عقیدۂ سلف صالحین اہلِ السنہ والجماعۃ اہلِ الحدیث کے اصول میں سے ایک اصل ثالث یہ بھی ہے کہ:''وہ اہلِ اسلام میں سے کسی بھی خاص شخص کو کافر قرار نہیں دیتے کہ جو ایسے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے جس سے کفارہ لازم آتا ہو، الا یہ کہ: اس حجت و دلیل قائم ہو جانے کے بعد کہ جس دلیل و حجت کا تارک (صراحتاً) کفر کر رہا ہو چناچہ (۱) اس ضمن میں شروط بھی وافر پائی جائیں (۲) اس کے کفر میں داخل ہونے کی تمام رکاوٹیں بھی دور ہو جائیں (۳) اپنے کسی فہم کا مطلب بیان کرنے والے اور جاہل آدمی سے شک وشبہ بھی زائل ہو جائے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ ایسا پوشیدہ امور میں ہوگا کہ جو کشف و بیان کے محتاج ہوں، بخلاف ظاہری امور کے، جیسے کہ: اللہ عزوجل کی ذات اقدس کے وجود کے متعلق دانستہ طور پر انکار کرنا اور نبی مکرم ﷺ کی تکذیب کرنا اور آپ ﷺ کی ختم نبوت اور تا قیامت صرف آپ ﷺ کی ہی رسالت کا جان بوجھ کر انکار کرنا۔

اور یہ کہ اہل السنۃ والجماعۃ سلفی جماعت حقہ کے لوگ ایسے آدمی کو کافر قرار نہیں دیتے جو کفریہ الفاظ وافعال ادا کرنے پر مجبور ہوا اور اسکا دل

ایمان کے ساتھ مکمل طور پر مطمئن ہو اور نہ ہی وہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں اگر چہ اس گناہ کا تعلق کبائر سے ہی کیوں نا ہو۔مگر یہ ہے کہ یہ گناہ شرک ہو۔پس ایسی حالت میں وہ ایسے کسی گناہ کا ارتکاب کرنے والے پر کفر کا فیصلہ نہیں کرتے۔ بلکہ بلاشک وشبہ وہ اس پر فسق اور ایمان کے ناقص ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں الا یہ کہ جب تک اسکا گناہ اس پر کفر کے فتویٰ کو جائز نہ کر دے۔

اور اہل السنہ والجماعۃ ،سلفی جماعت حقہ کے لوگ کسی بھی آدمی پر کسی بھی گناہ کی وجہ سے کفر کا حکم صادر نہیں کرتے جب تک کہ وہ کتاب وسنت سے اس بات پر دلیل نہیں لے لیتے کہ یہ فعل واقعتاً کفر کا فعل وقول ہے اور جب بندے کی موت اسی حالت میں واقع ہو جائے یعنی کسی بھی عالم کو ایسی کوئی بھی دلیل نہ مل سکے کہ جس قول وفعل کا اس نے ارتکاب کیا تھا وہ صراحتاً کفر تھا تو اسکا معاملہ اللہ رب العالمین کے سپرد ہوگا اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے اور اگر چاہے تو وہ اسکو معاف کر دے۔اہل السنہ والجماعۃ سلفی جماعت حقہ کا یہ موقف ومنہج ان گمراہ فرقوں کے بالکل خلاف وبرعکس ہے جو کبیرہ گناہ کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔(۳۷)

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایما امری قال لا خیه : یا کافر، فقد باء بها احدهما ان کان کما قال :والا رجعت علیه۔''(۳۸)

وقال:''من دعا رجلاً با لکفر ،او قال :عدو االله !و لیس کذلک الا حار علیه۔''(۳۹)

''جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو،اے کافر! کہہ کر پکارا تو دونوں میں سے ایک پر کفر آ جائے گا''۔

اگر وہ شخص کہ جسے اس نے کافر کہہ کر پکارا ہے وہ واقعتاً کافر ہے،تو پھر ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا۔بصورت دیگر یہ کفر پکارنے والے پر لوٹ آئے گا۔اور پھر فرمایا کہ: جو شخص کسی کو کافر کہہ کر پکارے یا کہے: او اللہ کے دشمن! حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو کفر اس پکارنے والے پر پلٹ آئے گا''۔

حضرت ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خود سماعت کی: رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے:

''لا یرمی رجل رجلا با لفسوق ، و لا یرمیه بالکفر ،الا ارتد ت علیه ، ان لم یکن صا حبه کذلک ''۔(۴۰)

وقا ل: و من قذف مومنا بکفر :فهو کقتله۔(۴۱)

وقال : اذا قال الرجل لاخیه :یا کافر فقد باء به احد هما (۴۲)

''کوئی بھی (مسلمان) آدمی کسی دوسرے (مسلمان) پر راہ حق سے انحراف کی تہمت نہ دھرے اور نہ ہی اس پر کفر کی تہمت دھرے۔اگر وہ حقیقت میں کافر وفاسق نہ ہوا تو وہ خود کہنے والا فاسق اور کافر ہو جائے گا۔''

اور پھر فرمایا کہ: اور جو کسی مسلمان آدمی پر کفر کی تہمت لگائے گا (اور وہ کافر نہ ہو) تو ایسا ہے جیسے اسکا خون کیا'' اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:''جب کسی آدمی نے اپنے (مسلمان) بھائی کو''اے کافر! کہا تو دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہوگا۔''

''اور اہل السنۃ والجماعۃ سلفی جماعت حقہ، اہل بدعت پر معصیت یا کفر کا مطلق طور پر حکم لگانے اور کسی معین شخص پر کہ جس کا اسلام بالیقین ثابت ہو۔۔۔۔اور اس سے کسی بدعت کا ارتکاب ہو جائے۔۔۔۔
اس طرح کا کوئی حکم لگانے کے درمیان ہمیشہ فرق کیا کرتے ہیں، کہ ایسا شخص تو بلا شک وشبہ گناہ گار ہوگا یا پھر راہ حق سے انحراف کرنے والا (فاسق) یا پھر کافر۔چنانچہ۔۔۔۔اس آدمی پر وہ ان تینوں میں سے کوئی بھی حکم تب تک نہیں لگاتے حتیٰ کہ اس پر حق واضح ہو جائے اور وہ بھی دلیل وحجت قائم کر کے اور شک وشبہ کا ازالہ کر کہ اور اس معاملہ کا تعلق خفیہ امور سے ہے نہ کہ ظاہری امور سے۔پھر وہ کسی معین آدمی کی تکفیر نہیں کرتے مگر یہ کہ جب اس میں کفر والی تمام شروط متحقق ہو جائیں اور اس ضمن میں تمام موانع دور ہو جائیں''۔(۴۳)

اہل تشیع کی رائے:

اس حوالے سے مولانا سید افتخار حسین نقوی نے کہا:

''مسلمانوں کو ایک دوسرے کی تکفیر سے اجتناب کرنا چاہئے۔یہ بہت خطرناک عمل ہے۔ماضی میں خوارج کی یہی روش رہی ہے۔اگر ہر مسلک ایک دوسرے کو کافر قرار دینے لگے تو کوئی مسلمان نہیں بچے گا''۔

آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے یہ دعوت دی:(۴۴)

''قولو الا اله الا الله تفلحوا''۔ ''یعنی لا الہ الا اللہ کہو اور فلاح پا جاؤ''۔

۳۔اب ہم اپنے موضوع کے تیسرے نکتے پر بات کرتے ہیں۔

مسلکی اختلافات کی بنیاد پر بڑھتی ہوئی عدم برداشت کو کم کرنے میں حکومت کی ذمہ داریوں کا تعین:

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ:

۱۔حکومت سب سے پہلے اپنے تمام شہریوں کو حقیقی انصاف فراہم کرے،کیونکہ عدم برداشت صرف مسالک میں ہی نہیں ہے اور نہ صرف زندگی کے ہر شعبہ میں ہے۔اور اس کے متعدد اسباب ہیں۔ان میں سے ایک اہم سبب معاشرے میں انصاف کی عدم فراہمی ہے۔

۲۔حکومت میڈیا (پرنٹ اور الیکٹرانک) کے لئے وطن عزیز کے دانشوروں سے مشورے کے ساتھ ایک ایسا ضابطہ اخلاق بنائے اور میڈیا کو پابند کرے کہ وہ اس ضابطہ کی پابندی کرے ،اور ایک غیر جانب دار کمیٹی اس کی مسلسل نگرانی کرے۔

۳۔اس کے بعد پرنٹ میڈیا کو پابند کرے کہ وہ مسلکی اختلافات کو ہوا دینے والے موضوعات اور بیانات کی اشاعت پر پابندی عائد کرے۔اس پابندی کی خلاف ورزی کرنے والے افراد، جرائد کے مدیران کو پہلے وارننگ،اور باز نہ آنے پر پھر جرمانہ اور آخر میں اس کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی جائے۔

۴۔ایسے تمام مواد کو فی الفور ضبط کرے جو مسلکی اختلافات کو ہوا دینے کا سبب ہیں۔

۵۔وطن عزیز میں ایسے تمام اجتماعات کے منتظمین کو پابند کرے کہ وہ اپنے اپنے اجتماعات میں ایسے کسی موضوع کو زیر بحث نہ لائیں جس سے کسی بھی دوسرے مسلک والوں کے جذبات مجروح ہوتے ہوں اور اس سے مسلکی اختلاف کو ہوا ملتی ہو۔اور نتیجۃً وطن عزیز میں مسلکی اختلافات کی وجہ سے نقص امن کو خطرات لاحق ہوں۔

۶۔حکومتی سطح پر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ سے ایسی مہم کا آغاز کرے جس سے وطن عزیز میں صحیح دینی شعور پیدا ہو۔اور عوام اختلافات پیدا کرنے والوں کے ہاتھوں یرغمال نہ بنے۔

۷۔وطن عزیز کے تمام جامعات میں تربیت آئمہ پروگرام شروع کرے تاکہ علماء کرام عوام میں دین کا صحیح تصور پیش کریں۔

۸۔حکومت اس تربیتی پروگراموں کی مسلسل نگرانی کرے تاکہ معاشرے میں اس کے مثبت نتائج ظاہر ہوں۔اور عوام میں عدم برداشت کی بجائے رواداری کا کلچر پروان چڑھے۔

۹۔حکومت وطن عزیز کے تمام علماء اور خطباء کو اس بات کا پابند کرے کہ وہ اپنے خطبات خصوصاً خطبات جمعۃ المبارک میں قرآن پاک ترتیب کے ساتھ شروع کریں اور اختتام تک جمعۃ المبارک کا خطبہ قرآنی احکام کے مطابق دیں اس سے عوام میں قرآن فہمی کا شعور پیدا ہوگا۔

۱۰۔حکومت کو چاہیے کہ وہ تمام مسالک کے اہل علم ودانش حضرات پر مشتمل ایک مرکزی پھر صوبائی اور ضلعی کمیٹیاں بنائے اور اس پورے پروگرام کی غیر جانبدارانہ طور پر نگرانی کرے، جس سے مسلکی اختلافات کو وطن عزیز سے ختم کیا جا سکے۔

حوالہ جات

۱-سورۃ الحج آیت:۴۱۔

۲-صحیح مسلم،مسلم بن حجاج القشیری۔کتاب الامارۃ،باب: خیار الأئمۃ وشرارھم۔۲/۱۷۔مطبعہ دار السلام،الریاض۔۱۹۹۱ء۔

۳۔مختصر صحیح مسلم۔تحقیق محمد ناصر الدین الالبانی۔ حدیث نمبر 1228 صفحہ 333۔

المکتب الاسلامی۔الطبعۃ السادسۃ۔بیروت ص ب 11/3771۔1407ھ 1987ء

۴-ماہناہ ''دعوہ'' ج ۱۷۔ش:۴،۵۔دعوہ الڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،اسلام آباد۔

۵۔سیرۃ النبی۔سید سلیمان ندوی۔۳۶/۷۔فیصل ناشران تاجران کتب،غزنی اسٹریٹ،اردو بازار،لاہور۔مارچ ۱۹۹۱ء۔

۶۔سابق مرجع۔۳۱/۷۔

۷۔سورۃ المطففین آیت:۱۔۳۔

۸۔(سورۃ الحدید آیت:۲۵)

۹۔سیرۃ النبی ۱۴/۷۔

۱۰۔سورۃ النور آیت:۵۵۔

۱۱۔سورۃ البقرۃ آیت:۲۰۱۔

۱۲۔سورۃ النحل آیت:۳۰۔

۱۳۔سورۃ ال عمران آیت:۱۴۸۔

۱۴۔سیرۃ النبی ۱۹/۷۔

۱۵۔سورۃ النحل آیت:۴۱۔

۱۶۔سیرۃ النبی ۱۹/۷۔

۱۷۔سورۃ الاعراف آیت:۱۵۶۔

۱۸۔سورۃ النساء آیت:۵۴۔

۱۹۔سیرۃ النبی ۱۹/۷۔

۲۰۔سورۃ النساء آیت:۵۸۔

۲۱۔سورۃ النحل آیت:۹۰۔

۲۲۔جامع ترمذی،ابواب الحکام ۲۲۷/۲۔

۲۳۔سورۃ الحجرات آیت:۹

۲۴۔صحیح مسلم،کتاب الامارہ۔

۲۵۔جامع ترمذی۔ابواب الاحکام۔

۲۶۔سورۃ العمران آیت:۸۷۔

۲۷۔سورۃ الشوریٰ آیت:۴۰۔

۲۸۔سورۃ المائدۃ آیت:۴۷۔

۲۹۔مستدرک الحاکم،۴/۸۹۔

۳۰۔صحیح مسلم، کتاب الاعمال۔

۳۱۔سابق مرجع۔

۳۲۔سابق مرجع۔

۳۳۔ماہنامہ ''البرھان'' ج ۱۶،ش ۱۱،۲۰۱۲ء۔ص:۴۵۔

۳۴۔عقائدوکمالات علماءدیوبند،مولانا اللہ یارخان۔ادراہ نقشبندہ اویسیہ،مکتبہ دارالعرفان،منارہ،چکوال۔ص:۲۶۔۱۹۹۹ء۔

۳۵۔سابق مرجع ص:۱۳۔۱۴

۳۶۔سورۃ الشوریٰ آیت:۱۱۔

۳۷۔ماہنامہ ''البرھان'' ص:۴۹۔

۳۸۔صحیح مسلم، کتاب الامارہ۔

۳۹۔سابق مرجع۔

۴۰۔صحیح بخاری، کتاب الادب۔حدیث نمبر:۶۰۴۵۔

۴۱۔سابق مرجع: حدیث نمبر:۶۰۴۷۔

۴۲۔سابق مرجع حدیث نمبر:۶۱۰۳۔

۴۳۔ماہنامہ ''البرھان'' ص:۵۵۔

۴۴۔سابق مرجع ص:۵۹۔